بسم اللہ الرحمن الرحیم

مؤطا امام مالک

(اختلافِ ائمہ)

محرر : محمد بلال بن جمیل عطاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالات مصنف

نام :مالک

کنیت :ابو عبد اللہ

لقب :امام دار الہجرہ

ولدیت:انس

سلسلہ نسب : مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر

تاریخ پیدائش :مشہور قول کے مطابق 93ھ ہے۔

اساتذہ:☆حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ، ☆حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ،

☆حضرت عبد اللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ، ☆حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ۔

مشہور تلامذہ : ☆امام غوری رحمۃ اللہ علیہ، ☆امام اوزائی رحمۃ اللہ علیہ،

☆عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ، ☆امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔

مشہور تالیفات : ☆کتاب فی المسائل، ☆رسالۃ فی الرد علی القدریہ

☆کتاب فی النجوم، ☆تفسیر غریب القرآن۔

علماء و محدثین کی چند رائے:

امام بخاری کا فرمان: سندوں میں سب سے بہترین سند وہ ہے جسے امام مالک روایت کرے۔

ابنِ عیینہ کہتے ہیں: کہ راویوں میں جرح و تعدیل کرنے والے امام مالک بہت سخت تھے۔

حضرت یحییٰ بن معین کہتے ہیں: امام مالک جس سے بھی روایت کرلے وہ مستند ہی ہوتی ہے۔

وصالِ پر ملال: 179ھ۔

کتاب العیدین

امام اعظم کے نزدیک عید کی نماز واجب ہے اور امام مالک کے نزدیک عید کی نماز سنت ہے۔

جمہور علماء کا یہی مذہب ہے کہ عیدین میں آذان اور اقامت نہیں ہے۔

اس حدیث میں بس ایک اختلاف ملتا ہے جس میں عبد اللہ بن عمر ہی کا عمل بیان کیا گیا ہے کہ آپ رات بھر مسجد میں رہے اور صبح کو عید گاہ کی طرف چلے گئے آپ نے غسل نہ فرمایا تو اب دونوں روایتیں آپس میں ٹکرا رہی ہیں ایک میں بیان کیا آپ رضی اللہ عنہ نے غسل فرمایا اور ایک میں بیان کیا ہے غسل نہیں فرمایا تو اس کا جواب حاشیہ میں دیا کہ جس روایت میں ہے کہ غسل نہیں کیا تو اس رات آپ اعتکاف میں تھے اور پھر اعتکاف کی صورت میں اٹھ کر عید گاہ کی طرف چلے گئے اور جو ہم نے حدیث بیان کی ہے وہ غیر اعتکاف والی ہیں۔ اور جو حدیث میں تعارض آ رہا ہے اس کو اسی طرح تطبیق دیا جائے و گرنہ امام مالک کی حدیث پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

عیدین کے خطبہ وغیرہ نیز اگر جمعہ اور عید جمع ہو جائے تو؟

عیدین کے خطبہ وغیرہ نیز اگر جمعہ اور عید جمع ہو جائے تو عید کی نماز پہلی پڑھی جائے گی اور خطبہ بعد میں ہو گا اب اسی بات پر یہ سوال ہوتا ہے حاشیے میں تو اس کا جواب کئی صورتوں میں دیتے ہیں وہ سوال یہ ہے کہ جمعہ میں خطبہ پہلے ہوتا ہے اور عید میں بعد میں ہوتا ہے؟

جوابات : پہلا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عید کے وقت میں وسعت ہوتی ہے اس لیے عید میں خطبہ کو مقدم کیا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جمعے کا خطبہ فرض ہے اگر اس کو بعد میں رکھا جاتا تو لوگ نماز پڑھ کے خطبہ سنے بغیر چلے جاتے اور گناہ گار ہوتے اسی طرح جمعہ کا جو خطبہ ہوتا ہے وہ نماز کی صحت کے لیے ہوتا ہے اور شرائط کا پورا کرنا نماز کے لیے ضروری ہوتا ہے اس وجہ سے اس خطبہ جمعہ کو مقدم کیا عید کے خطبے پر۔

(عید کی نماز سے پہلے کھانے پینے کے متعلق)

عید الفطر سے پہلے کھانے کا یہ عمل حضور علیہ السلام کی پیروی ہے حضور علیہ السلام بھی عید گاہ جانے سے پہلے کچھ نہ کچھ تناول فرمالیا کرتے تھے اور عید الاضحیٰ میں سنت یہ ہے کہ بعد میں کھایا جائے۔

(عیدین کی تکبیرات کے بارے میں اختلافات اور عید گاہ عید کی نماز کا آئمہ کے نزدیک حکم)

امام اعظم کے نزدیک تکبیرات عیدین چھ ہے۔

جبکہ امام مالک کے نزدیک تکبیرات عیدین بارہ ہے۔

احناف کے نزدیک پہلی رکعت میں قبلِ قراءت تین تکبیریں کہی جائے گی جبکہ دوسری رکعت میں قراءت کے بعد تین تکبیریں کہی جائے گی۔

امام مالک کے نزدیک پہلی رکعت میں قبل قراءت سات تکبیریں کہی جائیں گی جبکہ دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں بھی قبلِ قراءت کہی جائے گی۔

(عید کی قراءت کے بارے میں اختلاف)

امام شافعی کا موقف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے عید کی نماز میں سورہ (ق) اور (اقتربت الساعۃ) پڑھی۔

اور ہمارے نزدیک سورۃ (الاعلی) اور (غاشیہ) پڑھنا مستحب ہے۔

(عیدین کی جو تکبیرات ہیں ان میں تکبیر کریمہ شامل ہے یا نہیں اس بارے میں آئمہ کا اختلاف)

امام مالک: پہلی رکعت میں جو سات تکبیریں ہیں ان میں تکبیرِ تحریمہ شامل ہے۔

امام شافعی کہتے ہیں: شامل نہیں ہے۔

اسی طرح جب دوسری رکعت پڑھی جائے گی تو تکبیر قیام دوسری رکعت کی پانچ تکبیروں میں شامل ہے عند المالک، اور امام شافعی کہتے ہیں شامل نہیں ہے۔

(اگر کسی شخص کی عید کی نماز قضا ہو جائے تو وہ کیا کرے گا اس بارے میں اختلافات)

امام شافعی: اگر عید کی نماز قضا ہو جائے گی تو امام ہی کی مثل نماز پڑھے گا تکبیریں بھی زائد کہے گا اور جہری نماز بھی پڑھے گا۔

اور ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ دو ہی رکعتیں پڑھے گا نہ اس میں جہر ہے اور نہ ہی اس میں تکبیر زاہد ہے۔

امام مالک: اصلا قضا ہی ہے ہی نہیں۔

امام احمد چار رکعت پڑھی جائے گی

(عید کے دن اشراق و چاشت پڑھنے کے بارے میں اختلاف)

امام اعظم: عید کے بعد گھر میں آکر پڑھی جائے گی۔

امام احمد بن حنبل: عید سے پہلے پڑھی جائے گی۔

امام مالک: ان کے نزدیک عید گاہ میں پڑھنا منع ہے اور اگر مسجد میں پڑھے تو ایک روایت میں قبلِ صلوٰۃ اور بعدِ صلوٰۃ پڑھ سکتے ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ بعد صلوٰۃ ہی پڑھی جائے گی۔

امام شافعی: ان کے نزدیک ہر صورت میں قبلِ صلوۃ اور بعدِ صلوۃ سب جائز ہے۔

(العمل فی الاستسقاء)

استسقاء کیلیے نماز ہو گی یا نہیں اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف

امام اعظم : آپ علیہ الرحمۃ کے نزدیک استسقاء کے لیے نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک استسقاء کی نماز سنت ہے۔

امام اعظم کی وہ. تمام حدیثیں دلیل ہے جس میں دعا اور استغفار کو بیان کیا گیا ہے اور دیگر نے کہا ہے کہ نماز پڑھی جائے گی تو ان کے پاس بس ایک وہ حدیث دلیل ہے جس میں نماز پڑھنے کا کہا گیا ہے۔

اب ہم ان کو یہ کہتے ہیں کہ بس ایک حدیث سے کسی چیز کو سنت قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ دوسری حدیثیں جو کثرت سے ہے اسی پر عمل کیا جائے گا۔

(استسقاء میں چادر کو پلٹنے کے بارے میں اختلاف)

امام اعظم کے نزدیک چادر کا پلٹنا سنت نہیں، آپ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں بس یہ ایک نیک فعل ہے۔

جبکہ دیگر ائمہ اس چادر پلٹنے کے عمل کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

(ماجاء فی صلوٰۃ الکسوف)

صلوٰۃِ کسوف کا بیان

نماز کسوف (یعنی سورج گرہن کی نماز) چاروں مذاہب (احناف, شافعی, مالک اور حنبلی) کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہے۔

جبکہ نماز خسوف (چاند گرہن کی نماز) مذاہبِ ثلاثہ کے نزدیک سنت موکدہ ہے جبکہ احناف کے نزدیک مستحب ہے۔

(نماز کسوف کا طریقہ)

عند الاحناف: امام ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کسوف کے بارے میں فرمایا: کہ امام دو رکعت نماز اس طرح پڑھائے گا کہ پہلی رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کرے گا اور قراءت لمبی کرے گا۔

اور دوسری رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کرے گا یعنی عام نماز کی طرح پڑھے گا بس قرات لمبی ہو گی۔

ائمہ ثلاثہ کا موقف نماز کسوف کے بارے میں: نماز کسوف میں دو رکعتیں ادا کی جائے گی اور ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے کیے جائیں گے اس طرح دو رکعت میں چار رکوع اور چار سجدے ہو گے۔

(کتاب القبلہ)

یہ باب قبلے کی طرف رخ کر کے استنجا کرنے اور قبلے کی طرف پیٹھ کرنے کے بارے میں ہے اور اس بارے میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے، مؤطا امام مالک کی شرح میں اس کی آٹھ صورتیں لکھی ہے جن میں سے تین قول مشہور ہے:

1) پہلا قول المنع مطلقا یعنی مطلقا منع ہے قبلے کی طرف رخ کر کے استنجا کرنا یا اس کی طرف پیٹھ کرنا اور یہی مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

2) جبکہ دوسرا بول مطلق جواز کا ہے اور یہ مذہب حضرت عروہ بن زبیر اور امام داؤد ظاہر کا ہے۔

3) جبکہ آئمہ ثلاثہ کا جو مذہب ہے وہ اس مسئلے کی دو صورتیں بناتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بول وبراز (یعنی استنجاء) کرنے والا کسی عمارت کے اندر ہو یعنی بیچ میں کوئی دیوار وغیرہ بھی حائل ہو تو ایسی صورت میں قبلے کی طرف رخ کرنا یا پھر پیٹھ کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے جبکہ دوسری صورت جو ہے کہ اگر بندہ کھلے میدان میں ہو تو اب قبلہ کی طرف رخ کرنا ہے پھر پیٹھ کرنا درست نہیں ہیں۔

(النہی عن الصاق فی القبلۃ)

اس باب کی جو پہلی حدیث ہے اس میں فرمایا گیا ہے اذا کان احد کم یصلی کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو قبلے کی طرف نہ تھوکے اس حدیث سے لگتا ہے کہ یہ فصل نماز کے ساتھ خاص ہے اور بعضوں نے حدیث کو اسی معنی پر محمول بھی کیا ہے، نیز بعض نے اس کا دوسرا معنی بیان کیا ہے کہ اس کا حکم عام ہے یعنی ہر حالت میں قبلہ کی طرف تھوکنا منع ہے۔

اور اسی حدیث کا جو آخری حصہ ہے فان اللہ قبل وجہہ اذا صلی کہ اللہ تعالی کی اس کے چہرے کی طرف ہوتا ہے اس طرح (فی اللہ، قبل وجہہ) کے جتنے بھی الفاظ ہوتے ہیں ان میں مضاف محذوف ہوتا ہے اور یہاں پہ مضاف یہ ہوگا (ثواب اللہ) یعنی اللہ کا ثواب قبلے کی طرف ہوتا ہے اور یہ پہلا معنی اور دوسرا معنی یہ ہے کہ انسان جب قبلہ رخ ہوتا ہے تو اس سے مقصود رحمت الہی ہوتا ہے اور امام باجی نے فرمایا یہاں پر اللہ کا حکم مراد ہے۔

(ماجاء فی القبلہ)

تحویلِ قبلہ کی حکمت

قبیلہ بنی سلمہ میں نماز ظہر کی دوسری رکعت کی رکوع میں تحویل قبلہ ہوا اور اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ منافق اور مومنین کی جانچ ہو سکے کہ کون سچا مسلمانوں ہے اور کون کھوٹا ہے۔

اور تحویلِ قبلہ میں ایک سوال ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ کی صورت میں عمل کثیر ہوتا ہے اور عمل کثیر کی صورت میں نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

اب اس سوال کا علماء نے کئی طرح سے جواب دیا ہے :

پہلا جواب تو یہ ہے کہ قبلہ والا عمل اس نماز کے ساتھ خاص تھا اور بعض علامہ نے اس نماز کو صلاۃ خوف پر محمول کیا ہے

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کام نماز کی اصلاح کے لیے تھا اور نماز کی اصلاح کے لیے عمل عمل کثیر ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ جب تحویل قبلہ ہوا اس وقت عمل کثیر کی حرمت ہی ثابت نہیں ہوئی تھی۔

اس باب کی پہلی حدیث میں جو الفاظ آئے ہیں اذجائھم آت کہ آنے والا جب آیا اس سے مراد مختار قول کے مطابق عباد بن بشر آئے تھے، اور آگے جو بیان کیا گیا ہے کہ قد انزل علیہ اللیلۃ القرآنٌ یہاں پر جو قرآن کے اوپر تنوین ہے وہ تنویر تنکیر ہے تو یہاں پر معنی یہ ہو گا کہ کچھ قرآن پاک نازل ہوا۔

اب یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ تحویل قبلہ کی آیت تورات میں نازل ہوئی اور عمل (تحویل کا) نماز ظہر میں ہوا۔

اس کا جواب دیا تحویل قبلہ دن کو ہوئی اور قرآنی آیات رات کو نازل ہوئی اور دن کو حضور ﷺ کو الہام کے ذریعے تحویلِ قبلہ کا حکم دیا تو حضور ﷺ نے اس پر عمل کیا اور ایک مجازی معنی کو بیان کیا گیا ہے کہ دن کا آخری حصہ گزر گیا تھا ظہر کے وقت میں اس لیے یہاں پر دن کو رات سے تعبیر کیا گیا ہے ہیں۔

(ما جاء فی مسجد النبوی صلی اللہ علیہ وسلم)

اس باب کی دوسری حدیث ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ و منبری علی حوضی اس کے معانی کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے:

بعض نے اس حدیث کو ظاہر پر محمول کیا

اور بعض نے کہا ہے کہ قیامت کے دن اس مقام پر باغیچہ ہو گا اور ممبر میرا حوض کوثر پہ رکھا جائے گا

اور بعضوں نے کہا کہ اس حدیث سے تشبیہ مراد ہے یعنی جیسے روضہ جنت میں قلب کو راحت اور وسعت ہو گی ویسے ہی اس مقام مرد مومن کو خوشی اور راحت ہوتی ہے واللہ اعلم۔

روضۃ من ریاض الجنۃ ک بعض معانی:

اس کا پہلا معنی جنتی ٹکڑا ہے اور یہ اس کا اصل معنی ہے یعنی قیامت کے دن اسکو جنتی ٹکڑے میں تبدیل کر دیا جائے گا، یا پھر اس کا مجازی معنی یہ ہے کہ جو یہاں نیکی کرے گا اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا واللہ اعلم۔

(ماجاء فی خروج النساء الی المساجد)

(عورتوں کا مساجد کی طرف جانے کے حوالے سے اختلافات)

اس باب کی پہلی حدیث میں جو اما اللہ کا لفظ آیا ہے یعنی جو عورتیں عبادت کے لیے نکلتی ہیں ان کو حضور ﷺ نے مسجد کی طرف جانے سے منع فرمانے والے کو منع فرمایا اور جن کو حضور علیہ السلام نے نماز کے لیے آنے کی اجازت دی ہوئی تھی وہ مقید تھی اور ان کے آنے کی باقاعدہ شرائط تھی مثلا: خوشبو نہ لگائے، اچھی طرح باپردہ ہو۔

(مؤقفات)

امام اعظم کے نزدیک : بوڑھی عورت کو مسجد میں آنے کی اجازت ہے (مغرب، عشاء اور فجر میں آئے) ظہر اور عصر میں نہ آئے

امام اعظم کے موقف کی علت ؛ کیونکہ اس وقت (فجر ، عشاء اور مغرب) جو فاسقین تھے جنکے فتنے کا خطرہ تھا مغرب میں وہ کھانے میں مشغول ہوتے تھے اور عشاء میں وہ سو جاتے تھے اور فجر میں بھی سوئے ہوئے ہوتے تھے۔

صاحبین: صاحبین کہتے ہیں کہ بوڑھی عورت کو ہر نماز میں آنے کی اجازت ہے۔ علت ؛ صاحبین کہتے ہیں کہ ان میں فتنے کا کوئی خوف نہیں ہے کیونکہ بوڑھی عورت میں رغبت بھی کم ہوتی ہے۔

متاخرین: متاخرین کے نزدیک فتنے کی وجہ سے ہر نماز میں عورتوں کو مسجد کی طرف آنے سے منع کیا گیا ہے۔

اس باب کی دوسری حدیث میں حضرت عاتکہ کے عمل کو بیان کیا گیا کہ وہ تو مسجد کو جایا کرتی ہے ان کے عمل کی ترجیح کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا یہ پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی. تھی اور آپ رضی اللہ عنہا حضرت عمر کے نکاح میں اسی شرط میں آئی تھی کہ انہیں مسجد میں جانے سے منع نہ کیا جائے اور دوسری توجیح یہ ہے کہ اس وقت عورتوں کا مسجد میں جانے کے حوالے سے منع کا حکم ہی نہیں آیا تھا اسی وجہ سے حضرت عمر نے انہیں منع نہ کیا تو آپ رضی اللہ عنہا مسجد جایا کرتی تھی پھر حضرت عمر کے بعد وہ حضرت زبیر کے نکاح میں آئی تو ایک وقت آیا انہوں نے ایک ایسا حیلہ کیا کہ اس کے بعد پھر آپ رضی اللہ عنہا مسجد نہیں جایا کرتی بیان کیا ہے کہ وہ گھر سے باہر سے بھی باہر نہیں نکلا کرتی تھی یہاں تک کہ ان کا جنازہ ہی گھر سے نکلا۔

(کتاب القرآن)

باب الامر بالوضوء لمن مس القرآن (بے وضو قرآن چھونے کے بارے میں اختلاف ائمہ)

امام اعظم کے نزدیک: ہر وہ چیز جو کلام اللہ سے الگ ہو سکے مثلاً غلاف یا فیتا یا صاف کپڑے وغیرہ سے قرآن مجید کا بے وضو چھونا درست ہے اور جلد کا بے وضو چھونا درست نہیں۔
امام مالک وشافعی: انکے نزدیک قرآن پاک کا غلاف اسکا جلد اسی طرح فیتا سے پکڑ کر یا پھر تکیہ پر رکھ کر اس کا بے وضو اٹھانا چھونا مکروہ ہے۔

(الرخصة فی القرآن علی غیر وضوء)

اس باب میں جو حدیث ہے اس میں یہ لفظ آیا ہے فذھب لحاجته اس باب کی مکمل حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطاب ایک ایسی قوم کے درمیان تشریف فرما تھے جہاں لوگ بیٹھ کے تلاوت کر رہے تھے تو ان میں سے ایک شخص اٹھا اور قضائے حاجت سے واپس آیا اور پھر آکر بغیر وضو کے قرآن پاک پڑھنے لگا تو وہاں بیٹھے ایک شخص نے کہا کہ آپ بے وضو قرآن پاک پڑھتے ہیں؟ تو حضرت عمر نے اس سے کہا تجھ کو کسی نے کہا کہ یہ منع ہے کیا مسیلمہ نے کہا؟ یہ تو حدیث پاک کا مفہوم ہو گیا اب آئیں اصل لفظ کی طرف؛ جو شخص مسجد سے قضائے حاجت کے لیے اٹھا تھا وہ کون تھا تو اس کے بارے میں کتابوں میں ذکر کیا گیا کہ وہ شخص جو بنی حنیفہ سے پہلے مسیلمہ کذاب پر جھوٹا دعوی کرتا تھا پیغمبر ہونے کا پھر توبہ کر کے مسلمان ہو گیا تھا اسی وجہ سے تو عمر نے کہا کہ یہ فتوی تجھے مسیلمہ نے دیا ہو گا۔ یا رسول اللہ بے وضو قرآن پاک پڑھا کرتے تھے ان کا تو یہ فتوی نہیں ہے شاید مسیلمہ کذاب کا ہو۔

(ماجاء فی تحزیب القرآن)

منزل دہرانے یا پھر قرآن پاک کا ورد مقرر کرنے کے بارے میں باب

اس حوالے سے ہمارے مشائخ رحمهم اللہ کا عمل یہ ہے کہ اگر فرصت اور فراغت اور بے فکری ہو تو سات روز میں کلام اللہ ختم کیا جائے ورنہ پندرہ روز میں بہتر ہے۔

علماء، مشائخ اور فقہاء کا بھی اسی پر عمل ہے اور وہ پندرہ دن سے کم میں بھول جانے کا خوف رکھتے ہیں مگر یہ حافظوں کے واسطے ہیں ناظرہ خواں کو اختیار ہے کہ جب تک جی لگے غور و فکر اور شوق و ذوق سے جتنا جی چاہے پڑھے۔

(ماجاء فی القرآن)

اس باب کی جو سب سے پہلی حدیث ہے اس حدیث کی آخری کچھ الفاظ کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے اور وہ الفاظ یہ ہے (ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف الخ)

ابو جعفر نحوی نے اس حوالے سے دو قول نقل کیے ہے۔

ان میں سے پہلا قول یہ ہے کہ قرآن شریف سات لغتوں میں اترا ہے جیسے لغت اور بنی تمیم وغیرہ

اور دوسرا یہ ہے کہ قرآن پاک سات لفظوں کے ساتھ اترا ہے لیکن معنی ان سب کے ایک ہی ہے

جیسے : اَقْبَلْ، تَعَالِ، عَجَلْ اِسْرَاعْ

ان سب الفاظ کے معنی ایک ہی ہے مگر صحیح نہیں ہے کہ اپنی خواہش سے ایک لفظ کی جگہ دوسری لفظ مرادف رکھ لے بلکہ ضروری ہے سننا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور یہ بھی اسی زمانے میں تھا جب تک کلام اللہ جمع اور مرتب نہ ہوا تھا اب جو جمع اور ترتیب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوئی اس کا خلاف نہیں کرنا ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ سات حروف سے مراد سات قرائتیں ہیں ان میں سے ہر ایک کو قرات کے طور پر پڑھنا کلام اللہ کا درست ہے لیکن یہ توجید اہلِ علم کے نزدیک مقبول نہیں ہیں۔

(باب ماجاء فی سجود القرآن)

سجدہ تلاوت کے حکم کے حوالے سے فقہائے کرام کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ

احناف کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب ہے

جبکہ امام شافعی نزدیک سنت مؤکدہ

اور امام مالک کے نزدیک سنت ہے یا مستحب۔

امام اعظم کی دلیل؛ امام اعظم کی وہ ساری آیتیں دلیل ہیں جس میں سجدہ کرنے کا حکم ہے مثلا (واسجدوا للہ الخ) اور مطلقا امر وجوب کا تقاضا کرتی ہے اور امام صاحب کی وجہِ ترجیح یہ ہے کہ انسان کو ملامت نہیں کی جاتی ہے مگر واجب کو ترک کرنے میں۔

ان ائمہ کی جو سجدہ تلاوت کے سنت ہونے کے قائل ہے وہ حضرت زید بن ثابت والی حدیث کو لاتے ہیں جو مؤطا امام مالک کے حاشیہ میں بھی موجود ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سامنے آیتِ سجدہ پڑھی اور انہوں نے سجدہ نہ کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی سجدہ نہیں کیا انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے امام ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کریں گے لہذا اگر سجدہ تلاوت واجب ہوتا تو حضرت زید سجدہ ترک نہ کرتے اور نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کو ترک کرتے واللہ اعلم

اسی باب کی دوسری اور تیسری حدیث میں ایک اہم مسئلے کے درمیان آئمہ کرام کا اختلاف ہے اور وہ اختلاف سجدہ تلاوت کی آیات کی تعداد کے بارے میں ہے

تو حضرت والا اس حوالے سے حضرت امام اعظم کا موقف یہ ہے کہ ان کے نزدیک کل سجدہ تلاوت 14 ہیں اور وہ اس طرح سے ہیں کہ سورہ حج میں دو سجدے نہیں ہے بلکہ ایک ہی سجدہ ہے جو دوسرے رکوع میں ہے

جب کہ اس حوالے سے امام مالک کا موقف یہ ہے کہ آیات سجدہ کی تعداد گیارہ ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ سورہ ص سورہ نجم, سورۃ اذا السماء انشقت اور سورہ اقرأ میں سجدہ نہیں ہے

امام شافعی سجدہ کی تعداد چودہ شمار کرتے ہیں اس طرح کی سورہ حج میں دو سجدے ہیں اور سورۃ ص میں کوئی نہیں۔

(النہی عن الصلوۃ بعد صبح وبعد العصر)

اس باب میں تین باتیں کی جائے گی پہلی تو یہ کہ فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت اور دوسری اوقات مکروہ کے بارے میں ائمہ کرام کے موقفات نیز اوقات مکروہ میں ائمہ کے نزدیک نماز پڑھنے کا حکم

امام اعظم نزدیک اوقاتِ مکروہ کی تعداد :

1) طلوع آفتاب سے لے کر بیس منٹ کے بعد تک

2) غروب آفتاب سے لے کر بیس منٹ پہلے تک

3)نصف النہار سے لے کے زوال آفتاب تک

نیز ان تینوں اوقات میں کوئی نماز جائز نہیں نہ فرض نہ واجب نہ نفل اور نہ ہی قضا. ہاں اگر اس دن کی نماز عصر نہیں پڑھی تھی اور مکروہ وقت شروع ہو گیا تو پڑھ لیں البتہ اتنی تاخیر کرنا حرام ہے۔

امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک چار ہے :

1) غروب آفتاب

2) طلوع آفتاب

3) صبح کے بعد کا وقت

4) عصر کے بعد کا وقت

نیز امام مالک کے نزدیک ان اوقات میں فرض نماز کی قضا پڑھ سکتا ہے اور امام مالک کے نزدیک سنت نماز جنازہ کی طرح ہے، فجر اور عصر کے بعد یعنی دو اوقات میں سنت، نماز جنازہ وغیرہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔
اسی طرح امام مالک کے نزدیک اگر عصر اور فجر کے بعد کسی سبب سے نفل نماز پڑھی جائے تو جائز ہے ورنہ بلا سبب اگر کوئی ان اوقات میں نفل پڑھتا ہے تو اس کے لیے جائز نہیں ہے۔

(کتاب الاعتکاف)

اعتکاف کا لغوی اور شرعی معنی: علامہ اصفہانی لکھتے ہیں کہ اعتکاف کا لغوی معنی ہے تعظیم کی نیت سے کسی چیز کے پاس ٹھہرنا اور شریعت میں عبادت کی نیت سے مسجد میں ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔
اعتکاف کی اقسام: اسکی تین قسمیں ہیں : 1) واجب 2) سنت موکدہ 3) نفل
علامہ کاسانی فرماتے ہیں : اعتکاف کا وجوب نذر مطلق سے ہوتا ہے یا نذر مقید سے اور رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرنا سنت موکدہ ہے

نیز اعتکاف کی ان دونوں قسموں میں روزہ شرط ہے۔

اعتکاف نفل اگر ایک دن کا ہو تو اس میں بھی روزہ شرط ہے. اور اگر چند گھنٹوں یا چند منٹ کا اعتکاف ہو تو اس میں روزہ شرط نہیں ہے.

حضرت حسن بن زیاد نے امام اعظم ابو حنیفہ سے اعتکاف نفل کے لیے روزے رکھنے کی شرط نقل کی ہے، اس بناء پر اعتکاف نفل ایک دن سے کم نہیں ہو گا اور مسبوط میں امام محمد رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اعتکاف نفل ایک گھنٹے کا بھی ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے پھر کہ اس میں روزہ شرط نہیں۔

(اعتکاف میں کچھ امور کے حوالے سے اختلاف ائمہ)

امام اعظم اور امام مالک کا موقف یہ ہے کہ اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے اور غیر روزہ دار کا اعتکاف صحیح نہیں۔

ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو سنن ابو داود میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے : لا اعتكاف الا بصوم۔

جبکہ امام شافعی اور ان کے اصحاب اور ان کے موافقین کا مذہب یہ ہے کہ روزہ اعتکاف کی شرط نہیں بلکہ غیر روزہ دار کا اعتکاف بھی صحیح ہے ، امام شافعی کی دلیل؛ یہ ہے کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک رات اعتکاف نذر مانی تھی یہ آپ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو

اور رات میں روزہ مشروع نہیں اس سے لازم آیا کہ اعتکاف میں روزہ شرط نہیں۔

اسی باب میں ایک اور مسئلے کے حوالے سے آئمہ اکرام کے اختلاف ہیں؛

اعتکاف کہاں کریں گے مسجد یا گھر میں ؛

اس حوالے سے امام اعظم ابو حنیفہ کا موقف ہے کہ مرد صرف مسجد میں اعتکاف کر سکتا ہے اور عورت کو اجازت ہے کہ گھر میں جس جگہ کو خاص کیا گیا ہے وہاں اعتکاف کے لیے بیٹھ جائے۔

جبکہ امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ مرد ہو یا عورت اعتکاف صرف مسجد میں مشروع ہے۔

(کیا اعتکاف ہم مسجد میں کر سکتے ہیں؟ اس حوالے سے آئمہ کرام کا اختلاف)

جمہور کے نزدیک اعتکاف کے لیے مسجد عام شرط ہے

اور امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک ہر مسجد میں اعتکاف جائز ہے

اور امام احمد کے نزدیک اعتکاف اس مسجد کے ساتھ خاص ہے جس میں نماز باجماعت ادا کی جاتی ہو

امام اعظم کے نزدیک اس مسجد میں اعتکاف کیا جائے گا جس میں تمام نمازیں پڑھی جاتی ہوں۔

(اعتکاف کی ابتدا کا وقت)

امام اوزائی، امام ثوری اور امام لیث : ان کے نزدیک اعتکاف کے لیے صبح کی نماز کے بعد بیٹھنا چاہیے اس حدیث کی بنا پر جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے بعد جائے اعتکاف میں جا بیٹھے

جبکہ آئمہ اربعہ کا مذہب یہ ہے کہ جب دس دن کے لیے اعتکاف کرنا ہو تو غروب شمس سے پہلے بیٹھے

اور جو دیگر آئمہ نے وہ حدیث ذکر کی جس میں فجر کے بعد اعتکاف میں بیٹھنے کا ذکر ہے تو اس کا جواب دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز کے بعد تخلیہ کے لیے جائے اعتکاف میں بیٹھ گئے تھے اور اس وقت اعتکاف کی ابتدا نہیں کی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب

(معتکف کے خروج جمعہ سے عدم فساد میں مذاہبِ اربعہ)

فقہائے احناف کے نزدیک اگر معتکف جمعہ کے لیے مسجد سے باہر جائے تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہو گا۔

جب کہ امام شافعی، امام مالک کے نزدیک اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا

اور امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ جس پر جمعہ لازم ہے اس کا اعتکاف مسجد میں ہو گا۔

اور امام مالک کا مشہور قول بھی یہی ہے۔

(معتکف کی بیع و شراء میں فقہی مذاہب)

معتکف اگر اشیاء حاضر کیے بغیر خرید و فروخت کرے تو اس کے لیے جائز ہے امام اعظم کا یہی موقف ہے

اور امام شافعی نے کہا ہے کہ بیع و شراء کرے لیکن اس میں کثرت سے مصروف نہ ہو

امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ وہ کھانا خریدنے کے لیے مسجد سے باہر نکل سکتے ہے لیکن پھر لوٹ آئے۔

(کن کاموں کے لیے فقہائے کرام نے متکف کو مسجد سے نکلنے کی اجازت دی ہے اور ممانعت کی ہے)

فقہائے کرام صرف چار کاموں کے لیے معتکف کو مسجد سے نکالنے کی اجازت دیتے ہیں : 1) پیشاب 2) پاخانہ 3) غسل جنابت 4) نماز جمعہ اور اگر اس مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو اور اس پر جمعہ فرض ہو

اسی طرح معتکف نہ مزاج پرسی کے لیے مسجد سے نکلے اور نہ ہی مسجد سے اس لیے ٹھہرے لیکن مسجد کی طرف آتے ہوئے راستے میں مزاج پرسی کر سکتے ہیں

اسی طرح معتکف نماز جنازہ کے لیے مسجد سے باہر نہ جائے گا اگر چہ خارج مسجد میں نماز جنازہ ہو کہ معتکف کو اندرون مسجد میں رہنا چاہیے۔

نیز اسی طرح معتکف اپنی بیوی کو نہ شہوۃ ہاتھ لگائے اور نہ اسے چمٹائے نہ صحبت کرے اور صحبت سے تو یقینا اعتکاف جاتا رہے گا اور .بوس و کنار سے یا شہوۃ سے چھونے میں انزال ہو گیا تو اعتکاف گیا ورنہ سخت مکروہ ہوا۔

(معتکف مسجد سے اعتکاف مکمل کرنے کے بعد کب نکلے گا؟)

امام مالک کا اس حوالے سے موقف یہ ہے کہ معتکف مسجد سے عید کی نماز کے بعد نکلے گا اور ان کے نزدیک یہ صورت مستحب ہے اور اگر وہ مغرب کے بعد نکلے تو یہ بھی جائز ہے۔

جب کہ امام شافعی اور امام اعظم کے نزدیک معتکف کو غرب شمس کے بعد نکلنے کی اجازت ہے۔

اس مسئلہ کے حوالے سے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ عید الفطر کی رات رمضان المبارک کے آخر میں داخل ہے یا نہیں؟

(النکاح فی الاعتکاف)

تمام آئمہ اکرام کے نزدیک معتکف کو عقد نکاح کی اجازت ہے یعنی وہ اپنا بھی نکاح کر سکتا ہے اور دوسرے کا نکاح بھی کر وا سکتا ہے نیز یہ دونوں سورتیں صرف اس وقت تک جائز ہیں جب تک کہ معتکف عورت کو نہ چھوئے جب وہ اپنی عورت کو اعتکاف کی حالت میں چھولے گا تو۔ اس مسئلہ کے تحت آئمہ کرام کے درمیان اختلاف واقع ہو جائے گا اعتکاف کے باطل ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے ؛

اس باب میں اسی مسئلے کے تحت ایک اہم اطلاع بھی ہے جس کی طرف میں نے ابھی اوپر والے مسئلے میں اشارہ بھی کیا اور وہ اہم مسئلہ یہ ہے کہ اگر معتکف اعتکاف کے اندر اپنی منکوحہ کو چھولے تو اس بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف :

بغیر شہوت کے معتکف کا اپنی منکوحہ کو چھونا اعتکاف کے منافی نہیں یہ مسئلہ متفق علیہ فی الاربع ہے، اور اگر شہوت کے ساتھ ہو تو حرام ہے۔

اور امام مالک کے نزدیک ہر صورت میں اعتکاف باطل ہو جائے گا اگرچہ انزال نہ ہوا ہو

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر انزال ہو تو باطل و گرنہ نہیں۔

(کتاب الصید)

صید اس وحشی جانور کو کہتے ہیں جو آدمیوں سے بھاگتا ہو اور بغیر حیلہ نہ پکڑا جا سکتا ہو اور کبھی فعل یعنی جانور کے پکڑنے (اصطیاد) کو بھی صید کہتے ہیں۔

پہلے (بدمعاش) جانور کو اگر تیر وغیرہ سے مار دیا جائے تو اسے کھانے کا حکم :

امام مالک کے نزدیک مطلقا ایسے جانوروں کا کھانا درست نہیں ہے جب کہ امام اعظم کے نزدیک اگر ہلا ہوا جانور وحشی ہو جائے اور آدمی اسے کھانے لگے تو شکار کی طرح اس کو مار کر کھالینا درست ہے

(شکاری جانور کے شکار سے کچھ کھالینے میں ائمہ کا حکم) :

امام مالک نزدیک اگر شکاری نے شکار میں سے کچھ کھالیا ہو تب بھی وہ حرام نہیں ہوتا حتی کہ اگر ایک تہائی حصہ بھی وہ کھالے. تو بقیہ دو تہائی حلال ہے اور ان کے نزدیک درندے اور پرندے کے درمیان کچھ فرق نہیں۔

جب کہ امام اعظم نزدیک اس حوالے سے حکم یہ ہے کہ شکاری درندے نے اگر شکار میں سے کچھ کھالیا ہو تو وہ حرام ہے لیکن اگر شکاری پرندے نے کھایا ہوا ہے تو وہ حرام نہیں ہے کیونکہ شکاری درندے کو ایسی تعلیم دی جاسکتی ہے کہ وہ شکار کو مالک کے لیے پکڑ کر رکھے اور اس میں سے کچھ نہ کھائے لیکن تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ شکاری پرندہ ایسی تعلیم کو قبول نہیں کرتا۔ واللہ اعلم

معراض اس تیر کو کہتے ہیں جو بے پر کا ہو ایسا تیر سیدھا جا کر نوک کی طرف سے نہیں بلکہ چوڑائی کی طرف سے جا کر لگتا ہے وہ وقیذ ہے اصل میں وقیذ اور موقوذ اس جانور کو کہتے ہیں جو بغیر دھار والی چیز سے مارا جائے خواہ وہ لکڑی ہو یا پتھر یا اور کوئی چیز علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معراض یعنی بغیر پر کے تیر کے ذریعے شکار کرنے کی صورت میں اگر وہ معراض اس شکار کو اپنی دھار کے ذریعے مار ڈالے تو وہ حلال ہو گا اور اگر معراض نے اس کو اپنی. چوڑاہی کے ذریعے مارا ہے تو وہ حلال نہیں ہو گا۔ نیز علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس حدیث معراض سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ شکار حلال نہیں ہے جس کو بندوق یعنی گولی اور غلہ کے ذریعے مار ڈالا گیا ہو اور وہ شکار جو معراض کی چوڑائی کی طرف سے چوٹ کھا کے مرا ہو اس کے لیے حلال نہیں ہوتا کہ مذکورہ صورت میں شکار کا زخمی ہونا ضروری ہے تاکہ ذبیح کے معنی متحق ہو جائیں جب کہ معراض کا چوڑان شکار کو زخمی نہیں کرتا اس لیے وہ شکار بھی حلال نہیں ہوتا جو موٹی دھار بندوق کے ذریعے مار ڈالا گیا ہو کہ یہ بندوق ہڈی کو توڑ دیتا ہے زخمی نہیں کرتا اس لیے وہ معراض کے حکم میں ہی ہوتا ہے ہاں اگر بندقہ میں ہلکی دھار ہو اور شکار اس کے ذریعے مر گیا ہو تو وہ حرام نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں اس کی موت زخم کے ساتھ محقق ہوئی ہے اگر کسی شخص نے شکار پر چھری یا تلوار پھینک کر ماری اور وہ شکار مر گیا تو حلال ہو گا بشرط یہ کہ چھری یا تلوار دھار کی طرف سے جا کر لگی ہو و گرنہ حلال نہیں ہو گا۔

اسی طرح اگر شکار کو کوئی ایسا ہلکا پتھر پھینک کر مارا گیا ہو جس میں دھار ہو اور وہ اس کو زخمی کر دے تو اس شکار کو بھی کھایا جاسکتا ہے کیونکہ اس صورت میں اس شکار کی موت زخم کے ذریعے متعین ہو گی۔

جبکہ اگر شکار کو بھاری پتھر پھینک کے مارا گیا ہو تو اس کو کھانا جائز نہیں ہو گا اگرچہ وہ زخمی بھی کر دے کیونکہ اس صورت میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ وہ شکار اس پتھر کی چوٹ کے ذریعے جیسے ہڈی وغیرہ ٹوٹنے کی وجہ سے مرا ہو۔

حاصل یہ ہے کہ اگر شکار کی موت اس کے زخمی ہو جانے کی وجہ سے واقع ہوئی اور اس کا یقین بھی ہو تو اس کو کھایا جا سکتا ہے اور اگر اس کی موت، چوٹ کی وجہ سے واقع ہوئی اور اس کا یقین ہو تو اس شکار کو قطعا نہ کھایا جائے اور اگر شک کی صورت ہو کہ اس کا مرنا زخمی ہونے کی وجہ سے بھی محتمل ہو اور چوٹ کے اثر سے بھی محتمل ہو تو بھی احتیاطاً اس کو نہ کیا جائے۔

اور غلیل سے شکار کیا اور جانور مر گیا تو کھایا نہ جائے اگرچہ جانور مجروح ہو گیا ہو کہ غلیل کاٹا نہیں بلکہ توڑ تا ہے اور یہ موقوذہ ہے جس طرح تیر مارا ہو اور اس کی نوک نہیں لگی بلکہ پٹ ہو کر شکار پر لگا اور مر گیا جس کی حدیث میں حرمت مذکور ہے اور بندوق کا شکار مر جائے یہ بھی حرام ہے کہ گولیاں یا چھرا بھی حالہ جارحہ نہیں بلکہ اپنی قوت مدافعت کی وجہ سے توڑا کرتا ہے اور دھاری دھار پتھر سے مارا اور اگر پتھر بھاری ہے تو کھایا نہ جائے کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ زخمی کرنے سے مرا تو یہ احتمال بھی ہے کہ پتھر کے بوجھ سے مرا ہو اور اگر وہ ہلکا ہے تو کھایا جائے گا کہ یہاں مرنا جراحت کی وجہ سے ہے۔

جو مچھلی پانی میں اپنی موت آپ مر گئی ہو اس کا کیا حکم ہے؟

اس کے بارے میں امامِ اعظم علیہ الرحمۃ اور امام مالک علیہ الرحمۃ کا اختلاف ہے جو مع دلائل ہدایہ شریف میں مذکور ہے امام مالک حلال کہتے ہے اور امامِ اعظم مکروہ کہتے ہے۔

لکڑی سے کٹے ہوئے شکار کا حکم:

ائمہ اربعہ کے نزدیک:

پہلی صورت: جب کسی نے معراض سے شکار کیا اور معراض کی دھار سے مرا تو جانور بالاتفاق حلال ہے۔

دوسری صورت: اگر معراض کے عرض سے مرا ہو تو حلال نہیں۔

دلیل: سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو معراض کی دھار سے مرا اسے کھاؤ اور جو معراض کی چوڑائی سے مرا وہ موقوذہ ہے۔

(حلقوم کٹ جانے کے بعد جانور پانی میں گر کر مر جائے تو اس حوالے سے چند صورتیں)

بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر بعض ذبح کیے جانور والے جانور کا حلقوم کٹ جانے کے بعد پانی میں گر کر مرے تو اس کا کھانا جائز ہے امام ابن مبارک کا بھی یہی قول ہے۔

(کتا شکار سے کچھ کھائے تو اس بارے میں علماء کا اختلاف)

اکثر علماء فرماتے ہیں کہ اگر کتا شکار سے کچھ کھائے تو اب اس سے نہ کھایا جائے۔

حضرت سفیان ثوری اور امام شافعی، امام احمد و اسحاق کا یہی قول ہے۔

اور بعض صحابہ کرام اور دیگر اہلِ علم نے اس کی اجازت دی ہے اگرچہ کتے نے اس سے کھایا ہو۔

شکاری جانور چھوڑتے وقت تسمیہ کہنے پر جمہور کا مذہب

اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ تم کھالو جن حلال جانور کو تمہارے یہ شکار جانور پکڑ لے اور تم نے ان کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے لیا ہو۔

اسی طرح حضرت ابو ثعلبہ کی حدیث میں ہے اسی وجہ سے حضرت امام احمد وغیرہ نے یہ شرط ضروری بتلائی ہے کہ شکار کے لیے ضروری ہے کہ جانور کو چھوڑتے وقت اور تیر چلاتے وقت بسم اللہ شریف پڑھنا شرط ہے۔

نیز جمہور کا بھی مشہور مذہب یہی ہے کہ اس آیت وحدیث سے مراد جانور کو چھوڑنے کا وقت ہے، اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اپنے شکاری جانور کو بھیجتے وقت بسم اللہ کہہ لے ہاں اگر بھول جائے تو کوئی حرج نہیں۔

شکاری پرندوں اور شکاری کتے کا حکم

جمور علمائے اسلام کا فتوی یہ ہے کہ شکاری پرندوں کے ذریعے جو شکار ہو اس کا اور شکاری کتوں کے کیے ہوئے شکار کا ایک ہی حکم ہے اس میں فرق کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی چاروں اماموں کا مذہب بھی یہی ہے۔

سکھائے ہوئے درندوں کے شکار کا بیان

جس جانور کو سکھایا جائے مثلاً کتا چیتا یا باز وغیرہ کو اگر بسم اللہ کہہ کر چھوڑا جائے اور وہ شکار کو جا کر مار دے اس کا کھانا درست ہے اور تعلیم ان جانوروں کی جب پوری ہو گی کہ جب ان کو چھوڑ دے تو شکار پر دوڑے اور جب منع کرے تو رک جائیں اور امام اعظم و شافعی کے نزدیک اور شرط بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ شکار کے جانور میں سے کچھ کھائے نہیں بلکہ اس کو دبوچ کر چھوڑ دے۔

دریائی جانور کے حوالے سے امام اعظم کا موقف

امام اعظم کا موقف یہ ہے کہ دریائی جانور میں سے مچھلی کے علاوہ اور کوئی جانور حلال نہیں اور ان کے نزدیک وہ مچھلی بھی حلال نہیں جو سردی اور گرمی کی آفت کے بغیر خود بخود مر کر پانی کے اوپر آجائے اور الٹی تیرنے لگے اور وہ مچھلی جو سردی اور گرمی کی آفت سے مر کر پانی کے اوپر آجائے تو وہ حلال ہے۔

گھوڑا خچر اور گدھے کے کھانے نہ کھانے میں اختلاف ائمہ

اس حوالے سے موطا امام مالک کے حاشیہ میں مختصر سا اختلاف موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ امام مالک کے نزدیک گھوڑا، خچر اور گدھے کا گوشت منع ہے اور یہ اشد مکروہ ہے اور وہ مذکورہ آیت سے استدلال کرتے ہے۔ والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ ج

اور اس حوالے سے امام اعظم کا بھی یہی موقف ہے

جبکہ امام شافعی اور امام ابو یوسف کے نزدیک گھوڑے کا گوشت حلال ہے۔

جب انسان کو بھوک کی مار سے مرنے کا یقین ہو جائے اور اسے کوئی ایسی حلال چیز نہ ملے جسے وہ کھائے تو ایسے آدمی کو مضطر کہتے

ہیں۔

تواس مسئلے کے حوالے سے بھی آئمہ کرام کے درمیان کچھ اختلاف ہے چنانچہ :

اس حوالے سے امام مالک فرماتے ہیں کہ مضطر کو درست ہے کہ وہ پیٹ بھر کر کھائے اور اس میں سے کچھ توشہ میں اٹھاکے رکھ لے لیکن اگر حلال مل جائے تواس شیء کو پھینک دے۔

جبکہ امام اعظم اور امام شافعی کے نزدیک مضطر کو صرف اتنے کھانے کی اجازت ہے جس سے اس کی جان بچ جائے اور اسے کھانے کو جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ماجاء فی الصید فی البحر :

کتاب الصید کے اس باب کے اندر بھی ایک اہم مسئلے کے بارے میں ائمہ کے مختلف اقوال حاشیہ میں موجود ہیں۔

اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ جن جانوروں کو پانی باہر پھینک دے اسے کھانے اور نہ کھانے کے حوالے سے اقوال :

اس حوالے سے امام باجی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جس کو پانی باہر پھینک دے اسے کھانے سے منع کیا گیا ہے اور اس کی دو صورتیں بنے گی یا تو پانی اس جانور کو زندہ پانی سے باہر پھینک دے یا پھر اس کو مردہ باہر پھینکے گی۔

اس حوالے سے امام شافعی، امام مالک کا موقف یہ ہے کہ اگر پانی اسے زندہ باہر پھینکے تو اس کا کھانا جائز ہے اسی طرح اگر پانی اس جانور کو مردہ باہر پھینکے تو تب بھی ان کے نزدیک جانور کا کھانا حلال ہے اب چاہے وہ جانور کسی سبب سے مرے یا بغیر کسی سبب سے۔

جب کہ امام اعظم نزدیک اگر پانی جانور کو مردہ باہر پھینک دے تو اس کھانا ان کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

شکار کو تیر لگنے کے بعد اگر وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا تو کیا حکم ہے؟

اس حوالے سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے :

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ : آپ فرماتے ہیں کہ جب جانور کو تیل مارا پھر وہ غائب ہو گیا تو وہ اگر رات گزرنے سے پہلے مل جائے اور اس میں اپنے تیر کے اثرات بھی موجود دیکھیں تو وہ اسے کھا لے اس میں کوئی حرج نہیں، اور اگر رات گزر جائے تو اس کا کھانا مکروہ ہے۔

امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ : آپ فرماتے ہیں کہ شکاری اس کی تلاش جاری رکھے اور بیٹھا نہ رہے ، پھر شکار ملے اس حال میں کہ اس میں تیر کے سوا کوئی دوسرا زخم نہیں تو وہ حلال ہے اگر چہ جتنا وقت بھی گزر جائے اور اگر بیٹھا رہا اور پھر شکار مرا ہوا ملا تو حلال نہیں۔

(کتاب العقیقہ)

عقیقے کے حصے کے بارے میں اختلاف :

اس بارے میں امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے اختلاف ہے :

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ : بچے اور بچی دونوں کی طرف سے ایک ایک بکری عقیقہ کے طور پر قربانی کی جائے۔

دلیل : ترمذی کی حدیث پاک ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک بکری عقیقے میں قربان کی۔

امام اعظم ،امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ : بچے کی طرف سے دو اور بچی کی طرف سے ایک بکری قربان کی جائے۔

دلیل : ترمذی عن عائشہ رضی اللہ عنہا ؛ انہ ﷺ امرھم عن الغلام بشاتین مکافتین وللجاریۃ شأۃ واحدۃ۔

عقیقہ کا کیا حکم :

عقیقہ سنت ہے البتہ امام احمد کا ایک قول وجوب کا ہے۔

عقیقہ کے جانور کی ہڈی توڑی جائے گی یا نہیں :

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ توڑی جائے اور ہمارے نزدیک نہ توڑنا نیک فال ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا احب العقوق" کیوں فرمایا:

اس بارے میں مختلف احتمالات بیان کیے گئے ہیں:

1) ہو سکتا ہے کہ سائل یہ گمان کرتا ہو کہ عقیقہ اور عقوق (نافرمانی) کے ایک ہی حروف اصلیہ ہے تو شاید عقیقہ بھی اتنی اہم شے نہیں اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس باب میں اللہ تعالی کو عقوق ناپسند ہے نہ کہ عقیقہ۔

2) ویسے تو عقوق کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب اولاد، والدین کی نافرمانی کرے لیکن ہو سکتا ہے کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، نے والد کے لیے مستعارا استعمال کیا ہو کہ جس طرح بیٹا، والد کا حق نہ مانے تو اس فعل کو عقوق کہتے ہیں اسی طرح والد پر بیٹے کا حق ہے کہ اس کی طرف سے عقیقہ کیا جائے، اس حق کو ضائع کرنا عقوق سے تعبیر فرمایا گیا اور فرمایا کہ یہ بات ناپسندیدہ ہے کہ عقیقہ نہ کیا جائے۔

3) امام طیبی فرماتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس شخص نے یوں سوال کیا ہو "ولد لی مولود احب ان اعق عنه فما تقول" تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ "اعق" کو ناپسند فرمایا ہو کیونکہ یہ لفظ عقیقہ اور عقوق کے درمیان مشترک ہے، اور فصاحت کا تقاضا ہے کہ ایسے لفظِ مشترک کے استعمال سے گریز کیا جائے جس کا ایک معنی ناپسندیدہ ہو بس کراہت کا تعلق اسی لفظ کے ساتھ ہے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ میری اس کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین!

تمت بالخیر

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تحریر: حافظ محمد بلال بن جمیل عطاری (درجہ سادسہ)

کمپوزنگ: حافظ محمد فیضان بن شہاب الدین عطاری (درجہ خامسہ)

جامعۃ المدینہ فیضانِ بہارِ مدینہ